OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com



# احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں پنجابی اسلامی تہذیب وثقافت

# Punjabi Islamic culture in *Ahmad Nadeem Qāsmī's* Fictions

**Uzma Bashir**
*Doctoral Candidate Urdu, Govt. College Women University, Faisalabad*
**Prof. Dr. Tahira Iqbal**
***Department of Urdu, Govt. College Women University, Faisalabad***

## Abstract

The present article studies Punjabi Islamic culture in *Ahmad Nadeem Qāsmī's* fictions. It concludes that Punjabi rural society is present in the fictions of *Ahmad Nadeem Qāsmī'* with all its realities and bitterness. Especially with regard to Punjab, whether it is the civilized life of the city or the backward environment of the village and its problems. *Qāsmī'* has many legendary pictures of Punjab. Be it fiction or poetry, *Qāsmī'* has not deviated from the cultural and intellectual tradition but has been keen to present it with heart and soul. During this long period of writing, *Qāsmī'* was not affected by the negative tendencies of the contemporary movements. The breadth of tone in his writing, the ego, the heartbreak, the way of thinking remained so metaphysical that all the pain and anguish comes to an end in his words. He revived the villages of Punjab, their way of life, customs, morals and habits with pictures of words. They also describe the romantic atmosphere of the villages of Punjab. The problems of the fields, the peasants, the peasantry, the sorrows, the worries, the British Raj and their established feudal system, when man is victimized by human beings, the poor man is oppressed. While showing the social aspects, he also presented the customs, dress, celebrations, speech and temperament of the villages of Punjab.

**Key words:** *Ahmad Nadeem Qāsmī*, fiction, Punjab, Culture

CC BY

## تمہید

افسانوی ادب محض ایک مخصوص علاقے کی تہذیبی، ثقافتی، لسانی زندگی کا عکاس نہیں ہوتا بلکہ تخلیق کار کے ذاتی احساسات کا ترجمان بھی ہوتا ہے۔ جب ایک افسانہ نگار کسی خاص خطے تجربے تجزیے پر نظر ڈالتا ہے۔ قاری اُس احساس کو اپنی روح کی گہرائی سے محسوس کرتا ہے اور جب بہت سے ادیب مل کر زندگی کے حقائق سے پردہ اٹھاتے ہیں تو ایک پورا دور تاریخی آگاہی قاری کے سامنے آجاتی ہے۔ اِسی لیے ہر دور کا ادب اپنے دور کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اِس کا مطالعہ نہ صرف تہذیب و ثقافت اور لسان سے آشنائی ہے بلکہ اُس دور کے رویوں اور نظریات سے آگاہی بھی ہے۔ شروع میں 1907ء تک کے عرصہ کے لیے ہمیں پنجاب میں ہی آنا پڑتا ہے۔ 1907ء تک کے عرصے میں راشد الخیری کا "خدیجہ و نصیر" (1903ء)، پریم چند کا "انمول رتن" (1907ء) اور سجاد حیدر یلدرم کا "خارستان و گلستان" (1906ء) پنجاب کے رسائل ہی میں شائع ہوئے۔ اس دور کے افسانے پنجاب میں جو لکھے جا رہے تھے اُن میں اور پنجاب سے باہر لکھے جانے والے افسانوں میں نمایاں فرق تھا۔ 1901ء سے 1904ء تک کے عرصے میں دلی جو پنجاب کے بعد علم و ادب کا بڑا مرکز تھا جو افسانہ تخلیق ہو رہا تھا جسے راشد الخیری وغیرہ عورت کی بے بسی، آنسوؤں، مظلومیت دکھا رہے تھے لیکن پنجاب کی افسانہ نگاری میں اُس دور میں بھی پنجاب کی مخصوص ثقافت نمایاں تھی۔ پنجاب کے افسانہ نگار عورت کو بہادر، نڈر، سمجھدار اور ذہین دکھا رہے تھے۔ پنجاب کے ادب اور خصوصاً افسانہ پر پنجاب کی ثقافت کے اثرات نمایاں رہے تھے۔ یہ تضاد اس ابتدائی دور میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ پنجاب کے افسانہ نگاروں نے ہمیشہ زندگی کے روشن اور باہمت پہلوؤں کی عکاسی کی ہے۔ پنجاب کے لوگ بہادر، نڈر، جفاکش، بلند لب و لہجے کے اور جذباتی تھے۔ اِسی لیے شروع دور کے افسانے کی عورت بھی کمزور نہیں، مسائل کا مردانہ وار مقابلہ کرتی نظر آتی ہے جیسے "پدمن کی جانبازی" وغیرہ کہانی میں اخلاقی سبق بھی موجود ہوتا ہے کہانی کا واضح اختتام ہوتا تھا۔

پنجاب کے اُردو افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں تہذیب و ثقافت کی عکاسی کرتے ہوئے تہذیب کے بطون میں اُتر کر پھر اسے افسانے کا حصہ بنایا۔ اِن اہم افسانہ نگاروں میں نہ صرف مخصوص نقوش واضح کیے بالکل اُن کے لکھنے کے الگ الگ زاویے بھی موجود ہیں۔ اس لیے اُردو افسانہ نگاروں نے پنجاب کی کہیں سماجی زندگی کی عکاسی کی تو کہیں معاشرتی کہیں مذہبی اقدار کی۔ یہی وہ پنجاب رنگ ہے جو اُردو افسانے میں آغاز سے لے کر عصرِ حاضر 2020ء تک موجود ہے۔ زمانے کے ساتھ ساتھ پنجاب کے شہری اور دیہی مسائل میں اضافہ ہوتا رہا اور اس کے ساتھ ساتھ پنجاب کے لکھنے والوں نے اپنی موضوعات بھی تبدیل کیے اور اُردو افسانے کو متنوع موضوعات سے مالا مال کر دیا۔ اور افسانے کی صنف کو بامِ عروج تک پہنچنے میں اپنا کردار ادا کیا۔ یہ واحد صنف ادب ہے جس کے صرف ایک پہلو پنجاب کے حوالے سے دیکھنے تہذیب و ثقافت اور پنجابی الفاظ گیت، محاورے، بولیاں، اکھان، ترنجن کا استعمال اور پنجاب کے دیہات کو افسانے کی صنف میں اسے خاص شناخت حاصل ہے جس سے اُردو افسانہ ہی بامِ عروج پر نہیں پہنچا بلکہ اسے عالمی ادب کے شانہ بشانہ رکھا جا سکتا ہے۔

ہماری ثقافت کا تعلق مذہب سے بھی ہے۔ ہر قوم کے اپنے مذہب کے مطابق رسم و رواج ہوتے ہیں۔ پنجاب میں مذہبی رسومات وہی تھیں جو پہلے تھیں۔ شادی، غمی خوشی، پیدائش وغیرہ کی رسومات وہی تھیں جو عمومی تھیں، پہلے سے جاری تھیں اور یہ بھی مذہب سے جڑی ہوئی تھیں۔ اِس کے علاوہ گیت، بزرگوں کے اقوال، لوک داستانیں، عامی سماجی زندگی کے طور طریقے پہلے سے موجود تھے۔ محاورے، کہاوتیں، اکھان، لطائف، کثافت، بولیاں، گالی گلوچ، کہانیاں، داستانیں، رشتے ناطے، لباس،

خوراک، زیورات، مشروبات، مذہبی رسمیں، بچوں کی کہانیاں، لوک ناچ، مشغلے، ناٹک، ورزش، کھیل، عرس، میلے، تہوار وغیرہ زیادہ تر اسی رنگ میں تھے جو روایت سے چلے آرہے تھے۔

**احمد ندیم قاسمی: ایک تعارف**

احمد ندیم قاسمی 20 نومبر 1914ء کو موضع انگہ ضلع خوشاب میں پیدا ہوئے۔ اُس وقت ضلع خوشاب ضلع سرگودھا کا حصہ تھا۔ میٹرک 1931ء میں شیخوپورہ سے کیا، انٹرمیڈیٹ بہاول پور سے 1933ء میں اور گریجویشن پنجاب یونیورسٹی سے 1935ء میں کیا۔ بہت سے افسانوی مجموعے شائع ہوئے اِن میں: چوپال (1939ء)، بگولے (1941ء)، سیلاب (1942ء)، طلوع و غروب (1943ء)، گرداب (1943ء)، آنچل (1945ء)، آبلے (1946ء)، آس پاس، (1948ء)، درودیوار (1949ء)، سناٹا (1952ء)، بازارِ حیات (1955ء)، برگِ حنا (1959ء)، سیلاب و گرداب (انتخاب) (1961ء)، گھر سے گھر تک (1963ء)، کپاس کا پھول (1973ء)، نیلا پتھر (1980ء)، کوہ پیما (1959ء)، پت جھڑ (2007ء)۔

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں کا خمیر پنجاب کی مٹی سے اُٹھا ہے خاص کر پنجاب کے دیہی تناظر میں وہ پنجاب کی شہری زندگی کے ساتھ ساتھ پنجاب کے رومان اور دیہی فضا اور دہقانی زندگی کے ترجمان بھی ہیں۔ جس طرح منشی پریم چند کے افسانوی ادب کا خمیر اُودھ کے دیہات اور کسانوں کی زندگی کے مسائل کے علاوہ دیہاتی زندگی کی سادگی اور دُکھ کے المیے سے ماخوذ ہے۔ اِسی طرح احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں پنجاب کے شمال مشرق کے اُس علاقے کے دیہات ہیں جہاں زندگی کی رنگینی نہیں۔ خشک اونچے نیچے پہاڑ ہیں، ریتلی زمین پر بے شمار گاؤں آباد ہیں۔ یہ وادی سون کا علاقہ ہے، یہاں ذرائع آمد و رفت بھی دستیاب نہیں پہاڑیاں مٹی سے محروم ہیں پانی نایاب ہے رزق یہاں کم یاب ہے۔ اِس لیے اِس علاقے کا مزاج دوسرے ہندوستان کے علاقوں سے مختلف تھا۔ یہاں گلمرگ نہیں قدرتی نظارے نہیں سیر گاہیں نہیں، اسی لیے سیاحت بھی نہیں۔ اِس خطے کے لوگ پنجاب کے لوگوں کی فطری خوبیاں لیے ہوئے ہیں۔ قوی، غیور، جفاکش ہیں لیکن اقتصادی بدحالی ہے۔ پیروں فقیروں کی بے شمار گدیاں ہیں۔ احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

> بزرگوں سے سُنا ہے کہ اسلاف اسلامی ممالک عربیہ سے ایران میں اور پھر افغانستان میں آکر آباد ہوئے۔ ہندوستان کے کسی مسلمان تاج ور کے دور میں ہرات سے ملتان میں منتقل ہوگئے۔ یہ حضرات دینی علوم پر حاوی تھے کسی مسلم بادشاہ کے دور میں انھیں ملتان سے سون سیکر بھیجا گیا کہ وہاں اسلام کی تبلیغ کریں۔[1]

بے شک انھوں نے زندگی کا بیشتر حصہ بہاول پور، ملتان، پشاور اور لاہور جیسے شہروں میں گزارا تاہم وادی سون ان کا علاقہ کے ساتھ ساتھ رہا۔ احمد ندیم قاسمی نے شہری زندگی کے مرقعے بھی پیش کیے۔ شہر کے مزدور، بھکاری، غریب طبقہ، کلرک، افسر، بے روزگاری، شہر کی غلاظت، مشینیں، دھواں، شہروں کا تحفہ احمد ندیم قاسمی کے افسانوں کا حصہ ہیں۔ شہری زندگی خاص کر پنجاب کی شہری معاشرت کو پیش کرتے ہیں تو معاشرے کے مکروہ چہرے سے پردہ اُٹھاتے ہیں۔ طبقاتی کشمکش پر لکھتے ہیں جہاں بالائی طبقے کے کھوکھلے پن کو دِکھاتے ہیں وہی متوسط طبقے کی ریاکاری کو بھی پیش کرتے ہیں۔ شہروں میں بسنے والے تینوں طبقے احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں نظر آتے ہیں۔ شہروں کی تہذیبی فضا کی عکاسی اُس کے مسائل کے ساتھ کرتے ہیں۔ شہروں میں جاگیردارانہ نظام کی جگہ سرمایہ دارانہ نظام نے لے لی ہے اِسی سے بھی استحصالی نظام نے جنم لیا۔ نسلی امتیاز، طبقاتی کشمکش، خود

غرض، ہوس، زرپرستی جیسی لعنتیں عام ہوئیں، بے روزگاری، عدم تحفظ، سماجی پستی نظر آنے لگی۔ افسران تکبر، جبر، غرور، رشوت میں مبتلا ہو گئے۔ احمد ندیم قاسمی اِن تمام مسائل کی عکاسی کے ساتھ دکھاتے ہیں۔ شہری زندگی پنجابی معاشرے میں اِس طاغوتی نظام اور اِس کے تحت پنپنے والی قوتوں کو نیست و نابود نہ کیا جائے، مثبت تبدیلی لانا ناممکن ہے۔ احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں نچلے کچلے طبقے کے لوگوں کے جذبات، احساسات کی عکاسی ملتی ہے۔ اُن کے افسانہ "سفارش" میں معاشرے کی تصویر موجود ہے۔ دو کردار "بابو جی" اور "فیکا" نچلے طبقے کے مسائل کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے جس طرح فیکا بابو جی سے مدد کی درخواست کرتا ہے وہ معاشرے کے مجبور اور بے بس لوگوں کی نمائندگی کرتا نظر آتا ہے: "آپ صاحب لوگ ہیں یہ دیکھیے ہاتھ باندھتا ہوں میرے ساتھ چل کر کسی ڈاکٹر سے یہ کہہ دیجیے کے صدیقے مریض کو ذرا سا دیکھ لے۔"[2] جب بابو جی کارڈ دیتے ہیں تو فیکے کی حالت ملاحظہ ہو: "وہ مجھ سے کارڈ لے کر یوں چلا جیسے دُنیا جہاں کی دولت سمیٹے لیے جا رہا ہے۔"[3]

افسانے میں پنجابی معاشرے کے نچلے طبقے کی لاعلمی، سادگی، مجبوری کو بیان کیا گیا ہے جو اپنی سادگی سے مختلف مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سادہ دل لوگ خدا اور اِس کے رسول ﷺ کے نام پر عقیدت مندی اور اندھے یقین کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ تعلیم سے بے بہرہ ہونے کے سبب پنجاب کے سادہ دل لوگوں کی گفتگو میں سادگی در آتی ہے: "اتنے بڑے بڑے ہوٹل دیکھے ہیں میں نے کہ سارا راولپنڈی شہر اِن میں سما جائے۔ فرش پر دیکھو تو جیسے دریا پر چل رہے ہیں، کمروں میں جاؤ تو جیسے جنت میں داخل ہو گئے۔"[4] غریب لوگوں میں جذبہ محبت بھرا ہوتا ہے۔ یہ ہی صورت پنجاب کے عوام کی بھی ہے۔ پنجاب کے غریب لوگ بھی غربت ناداری کے باوجود ایک دوسرے کے دُکھ درد بانٹتے ہیں۔ افسانہ "قرض" میں اس تہذیبی معاشرتی رنگ کی عکاسی ملتی ہے۔ یہ کہانی ترقی پسند تحریک کے پسِ منظر کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ رحمان کا کردار نچلے طبقے کی نمائندگی کرتا ہے۔ قلیل آمدنی میں جن کا گزارا قرض پر ہوتا ہے۔ رحمان اپنی بیوی سے کہتا ہے: "وہی اپنا شاکر آج بھی کام آیا اپنے گھر کے لیے کہیں سے دو روپے مانگ لایا۔ میں نے کہا ایک مجھے بھی دے دو فوراً ایک روپیہ مجھے پکڑا دیا۔[5]

افسانہ "مسافر"، "جنس وانس"، "لارنس آف تھلیبا"، "بوڑھا سپاہی" اور "طلوع و غروب" پنجاب کا تہذیبی اور ثقافتی رنگ لیے ہوئے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی کے افسانے جو تقسیمِ ہند سے پہلے لکھے گئے وہ متحدہ پنجاب کی تہذیبی اور ثقافتی زندگی سمیٹے ہوئے ہیں۔ "چوپال" میں شامل افسانہ اِس کی عمدہ مثال ہے۔ دیہات کے لوگ سادہ طبیعت رکھنے کے ساتھ ساتھ سادہ طرزِ زندگی بھی گزارتے ہیں، سادہ لباس پہنتے ہیں جو اُن کی تہذیب کی نمائندگی کرتا ہے۔ لباس تہہ بند، کُرتا، پگڑی پر مشتمل ہوتا ہے۔ پگڑی دیہی ثقافت کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ عورتوں کے لباس میں ڈوپٹہ تہذیب کی علامت ہے۔ مکانات بھی سادہ ہوتے ہیں، بجلی پنکھے جدید سہولتیں موجود نہیں ہوتی تھیں، پائپ کا پانی بھی سب گھروں میں نہیں پہنچتا تھا۔ اب تو گاؤں کے حالات بھی تبدیل ہو چکے ہیں۔ گھر لوگ اپنے ہاتھوں سے تعمیر کرتے، آرائش و زیبائش گارے مٹی سے کی جاتی تھی۔ گائے بھینس بکری کو قیمتی دولت سمجھا جاتا تھا۔ احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں پنجاب کا دیہات اپنی پوری جزئیات سمیت داخل ہوتا ہے۔ بابا نور میں "نور بابا" کا سراپا دیکھیے: "بابا نور کا سارا لباس دھلے ہوئے سفید کھدر کا تھا۔ سر پر کھدر کی ٹوپی تھی جو سر کے بالوں کی سفیدی کی وجہ سے گردن تک چڑھی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اُس کی سفید داڑھی کے بال تازہ تازہ کنگھی کی وجہ سے خاص ترتیب سے اُس کے سینے پر پھیلے ہوئے تھے۔"[6] "لارنس آف تھلیبا" میں دیکھیے: "سات رنگوں میں سے کوئی بھی رنگ ایسا نہ تھا جس سے اُس کا وجود محروم ہو۔ اُس کی آنکھوں، بالوں، چہرے اور ہونٹوں سے جو رنگ نچ رہے تھے وہ اس کے تہہ تہہ کرتے اور اوڑھتی میں جذب

ہو گئے تھے۔"[7] پنجاب کی مخصوص ثقافتی مہک ہمیں احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں ایک تسلسل کے ساتھ نظر آتی ہے۔

**مہمان نوازی**

پنجاب میں مہمان کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت سمجھا جاتا ہے۔ پنجاب کے لوگ کہتے ہیں:" دانہ پانی کھچ لیاوندا کون کسے دا کھاندا نئیں۔" مہمان کو خوش آمدید کہا جاتا ہے:" آج یہ اچن کیتھوں چڑھ پیا اے۔" مہمان کی خاطر مدارت کی جاتی ہے۔ پنجاب کے لوگ کشادہ دل ہیں۔ دوسرے مذاہب کا بھی احترام کیا جاتا ہے۔ مہمان نواز لوگ ہیں، آنے والوں کو "بسم اللہ جی آیاں نوں" کہا جاتا ہے۔ رخصت کرنے دروازے تک جاتے ہیں۔ اسے سنتِ رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں۔" رب راکھا" کہہ کر الوداع کرتے ہیں۔ پنجاب کی تہذیبی روایت میں مہمان خواہ گھر میں ہو یا کھیت میں مہمان کی ہر طرح سے دل جوئی کی جاتی ہے۔" دیہاتی ڈاکٹر" میں مہمان نوازی دیکھیے:" ایک بوڑھا اور دو نوجوان پتھروں پر ایڑیاں دھرے باری باری سرحدی حقے کے کش لگا رہے تھے دیکھتے ہی تینوں اُٹھے، نہایت ادب سے مصافحہ کیا۔ ایک جوان کو اشارہ کیا جس کے لمبے لمبے سیاہ پٹے اس کے لال لال رخساروں پر بکھر رہے تھے۔ وہ جھاٹ جھاڑ کر اٹھا لایا۔ حقہ تازہ کیا تمبا کو مسل کر ڈالا گیا۔"[8]

افسانہ "ہرجائی" میں مہمان نوازی کی عمدہ جھلک ہے جب عورت اجنبی مہمان سے کہتی ہے:" روزانہ چھاچھ پی جایا کرو بیٹا، تیرا اپنا گھر ہے۔ غریب تو آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں۔"[9] پنجاب کے لوگ مہمان نواز اور خود دار ہوتے ہیں۔ یہی خودداری پنجاب کے لوگوں کی پہچان ہے۔" قلی" افسانہ میں محمد دین کا کردار خود انتہائی غریب ہونے کے باوجود مہمان نواز ہے کسی سے اُدھار نہیں مانگتا۔ محمد دین کی بہن فوت ہو جاتی ہے وہ کفن دفن کے لیے مزدوری کر کے رقم جمع کرتا ہے یہ رقم تھانیدار کو چائے بلانے میں صرف کر کے گھر آ جاتا ہے۔ غریب تو آنیں میں بھائی بھائی ہوتے ہیں۔" پنجاب کی تہذیبی روایت میں خوش اخلاقی اور خاص کر مہمان نوازی کی خاص اہمیت حاصل ہے۔ مہمان خواہ گھر میں ہو یا کھیت میں مہمان کی ہر طرح سے دل جوئی کی جاتی ہے۔ دیہات اور خاص کر پنجاب کے دیہات کی عکاسی کے لیے قدرت نے احمد ندیم قاسمی کو بھرپور تخلیقی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ وہ روز مرہ زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات اور عام کرداروں کو اس قرینے سے سامنے لاتے ہیں کہ وہ عام زندگی کے عکاس ہونے کے ساتھ ساتھ وسیع النظریات خیالات، بلند افکار اور پہلو دار معنوی علامت بھی بن جاتے ہیں۔ قاری اس تہذیب اس وقت میں خود کو محسوس کرتا ہے۔" لسی" پنجاب کی دیہی زندگی میں خاص اہمیت رکھتی ہے، اِسے مہمان نوازی کی خاص علامت سمجھا جاتا ہے۔" بازارِ حیات" کا افسانہ " بابا نورا" میں کھیتوں میں کام کرتی لڑکی " بابا نورا" کی خدمت کرتی نظر آ رہی ہے:" لڑکی نے گھاس کی لٹکتی ہوئی گٹھڑی کندھے سے اتار کر وہیں کھیت میں رکھی پھر وہ دوڑ کر مینڈ پر اُگی ہوئی ایک بیری کے پاس آئی تنے کی اوٹ میں پڑے ہوئے برتن کو خوب چمکایا۔ ایلومینیم کا کٹورا بھرا اور لپک کر بابا نورا کے پاس جا پہنچی۔"[10]

**اعتقادات و توہمات**

مذہبی شخصیات پیروں، مرشد، سجادہ نشین، امام مسجد، دینی مدارس کے اساتذہ کا احترام پنجاب کا مجموعی رویہ ہے۔ مختلف بزرگوں کے آستانے لوگوں کے لیے عقیدت کی جگہ ہیں۔ اولیاء اکرام کے مزاروں سے بس لوگوں کی خاص عقیدت ہے۔ پنجاب میں پیروں کو آج بھی اہم درجہ حاصل ہے۔ لوگ ان سے مشورے بھی کرتے ہیں۔ شادی بیاہ اور موت کی رسومات میں بھی پیر کو رسوخ حاصل ہوتا ہے۔ اعتقادات کا لوگوں کی زندگی میں اہم اثر نظر آتا ہے۔ پنجاب کے زیادہ تر لوگ ان پڑھ ہیں اور یہ توہمات میں زیادہ مبتلا نظر آتے ہیں۔ جیسے: 1۔ پنجابی معاشرے میں سورج گرہن، چاند گرہن میں حاملہ عورت کو چلنے پھرنے

سے منع کیا جاتا ہے۔2۔روشنی کو پھونک مار کر بجھانا اچھا نہیں سمجھا جاتا۔
اسی طرح سفر کے بارے میں بھی اعتقادات ہیں۔ بعض اعتقادات پنجاب کے لوگوں میں مذہبی حیثیت حاصل کر لیتے ہیں، نسل در نسل منتقل ہوتے ہیں اور ان کی زیادتی معاشرے کے لیے نقصان دہ بھی ہوتی ہے۔پنجاب کی اکثریت ناخواندہ اور جدید تعلیمی سہولیات سے کوسوں دور ہے اسی لئے توہمات اور جادوٹونے میں گرفتار ہیں اور احمد ندیم قاسمی کے اکثر افسانے مشرقی پنجاب کی دیہاتی زندگی تصویریں اب تک بیماری کا علاج جادو اور تصویر سے کرتے ہیں پنجاب کی بڑی تعداد شگون پر یقین رکھتی ہے۔احمد ندیم قاسمی ان کمزور اعتقادات لوگوں کی نمائندگی اپنے افسانوں میں کرتے ہیں ان رویوں میں بہتری کے خواہش مند ہیں۔"توبہ میری"میں کریموں اپنے باپ سے کہتا:"کل مولبی جی کہہ رہے تھے میں نے بوڑھے نیم کے نیچے پیشا بکر دیا اس لئے نیم کی پرانی ڈائن میرا کلیجہ نکال کر کھا گئی کلیجے والی جگہ مجھے خالی جان پڑتی ہے۔"[11]احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں ایسے ضعیف اعتقادات لوگ بھی نظر آتے ہیں جو ہر بیماری کا علاج تعویذ گنڈھوں سے کرتے ہیں۔گاؤں کی الھڑ معصوم رانی تعویذ گنڈوں پر اس قدر یقین رکھتی ہے کہ اس کے بابا کا کھانسی سے سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے تو وہ کہتی ہے:"دوادارو توجی بہلاوے کے بہانے ہیں بابا کہو تو کل پرسوں پیر جی سے تعویذ لے آؤں کہتے ہیں ان کے تعویذ کی برکت سے مرنے والے بھی بنا کسی سہارے کے اٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔"[12]

## پیر پرستی

پنجاب کے دیہی علاقوں میں پیر پرستی غیر انسانی حدوں کو چھو رہی ہے لوگوں سے نذرانے لئے جاتے ہیں قاضی صاحب خود بھی پیروں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے لیکن وہ اسے لوٹ کھسوٹ کا افسوس ناک طریقہ قرار دیتے ہیں افسانوں پیپل والا تالات، بین، چھبن مصنف کے مشاہدات کے عکاس ہیں جہاں سادہ لوح افراد پیروں کی ستم گری کا شکار ہیں۔افسانہ بین میں دیکھیے:"تب یوں ہوا کہ عورتیں پانی سے بھرے ہوئے برتن لاتیں اور تمہاری تلاوت ختم ہونے کا انتظار کرتی تم قرآن پاک بند کر کے اٹھتیں اور"طفیل سائیں دولہے شاہ جی"کہتی ہوئی ان برتنوں پر چھو کرتی اور عورتیں یہ پانی اپنے عزیزوں کو پلاتیں تو بیمار اچھے ہو جاتے برے نیک ہو جاتے بے نماز نمازی ہو جاتے۔"[13]احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں 1947ء کے بعد بھی متنوع طرزِ معاشرت اور اندازِ فکر ملتے ہیں۔پنجاب میں سلسلہ ہائے تصوّف کے پیروکاروں کی بڑی تعداد موجود ہے۔یہاں کے لوگ روایات کے پابند ہیں۔رسوم و رواج کی پیروی کو اپنا شعار سمجھتے ہیں اور اِس میں تبدیلی کو گناہ سمجھتے ہیں۔زیادہ آبادی دیہات میں مقیم ہے اور وہ لوگ اپنے رسم و رواج کو اپنے اوصاف میں شمار کرتے ہیں۔

## جاگیردارانہ استحصال

احمد ندیم قاسمی دیہات کی پسماندگی اور جاگیردارانہ نظام کے ہاتھوں غریب کی پسپائی دکھاتے ہیں اور زیادہ نسوانی کرداروں کو پیش کرتے ہیں جاگیردارانہ استحصال کا شکار ہونے والی خواتین کسی مثبت بغاوت کی بجائے پاگل پن کا شکار نظر آتی ہیں کیوں کہ یہ کردار حالات سے لڑ نہیں سکتے اس لئے چیخ وپکار کی صورت نظر آتی ہے افسانہ "بین"میں رانو کا کردار انصاف کا منتظر ہے اور احتجاج میں مزار پر پتھر پھینکنے کا کام کرتا ہے۔افسانہ کنگلے میں جاگیردار اور کمزور کے ہاتھوں بے بس لوگوں کا استحصال دکھاتے ہیں جس میں کرسی نشین سرکاری تائید کے ساتھ جاگیردار یا نمبردار کے روپ میں استحصال کو فرض منصبی سمجھتا ہے افسانہ "جلسہ"میں مولوی کی ریاکاری دکھاتے ہیں وہ کس طرح غریبوں کو لوٹتا ہے اس افسانے میں جلسے کا منظر ہے جس میں مولوی

پنڈت اسمبلی کے ممبر صرف تقریروں سے کام چلاتے ہیں مگر دیہاتیوں کی فلاح کے لئے کچھ نہیں کرتے یہ صرف پنجاب ہی نہیں علم دیہاتی زندگی کا المیہ بھی ہے دیہاتی آپس میں کھسر پھسر کرتے ہیں: "ہماری سڑکیں برباد پڑی ہیں ہمارے لئے پانی کے انتظام نہیں ہماری فصلیں تباہ ہیں مگر لگان معاف نہیں ہوا تھانیدار ہمیں بیگار پکڑ کر تنگ کرتا ہے۔ "[14] پاکستان بننے کے بعد جاگیرداری نظام پورے ملک میں اور مغربی پنجاب میں بھی پنجے گاڑ چکا تھا۔ جہاں فرشتوں کی سی معصومیت کے قتل پر ذرّا برار افسوس نہ کیا جاتا، نسوانی حسن پر اپنا حق سمجھا جاتا اور زندگی اس ڈھب پر غریب گزارتے ہیں جس پر انھیں مجبور کیا جاتا ہے۔ "لارنس آف تھیلیا" کی رنگی بغاوت کا راستہ اختیار کرتی ہے۔ پنجاب کے ایک علاقے "تھل" کی کہانی ہے جس کے جاگیردار کا بیٹا خدابخش "لارنس آف عربیا" کے نام پر اپنے باز کا نام "لارنس آف تھیلیا" رکھتا ہے۔ اس کی دیکھ بھال کے لیے ملازم رکھتا ہے۔ باز کا کردار مصنف نے جاگیرداروں کا علامتی کردار بنایا ہے اور معاشرے کی برائیوں کو نمایاں کیا ہے اور رنگی کا کردار (لالی) کے روپ میں دکھایا ہے۔ اس کا مصرع معنی خیزی لیے ہوئے ہے: "لالیاں بازوں کو نہیں مار سکتی ناوان!" یہ افسانہ پورے جاگیرداری نظام کی درندگی کا استعارہ ہے۔ "رنگی" کا "لارنس آف تھیلیا" کو گردن مروڑ کر پھینک دینا اس درندگی کے خلاف کھلی بغاوت ہے اور افسانہ "بین" میں یہ بغاوت رانو نے کی۔ خانقاہی نظام کے خلاف جہاں درویشی میں عیاری سُلطانی میں عیاری وہاں عوام کو ظلم سے نجات کیسے ملے گی۔ یہ پوری انسانیت کا المیہ ہے صرف پنجاب کا نہیں۔ جب تک نظام عدل قائم نہیں ہو گا "خدابخش" اور "سائیں جی"، "رنگی" اور "رانو" پر جھپٹتے رہیں گے اور آدمیت کی تذلیل باقی رہے گی۔ یہ ہمیں مصنف کے ہاں علیحدہ موضوع کے طور پر نہیں بلکہ سوال کی صورت میں، کہانیوں در کہانیوں کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ سادہ معصوم خوش اخلاق غریب دیہات کی عکاسی بھی کرتے ہیں۔

**سرمایہ دارانہ استحصال**

پنجاب کے شہری علاقوں میں جاگیردارانہ نظام کی جگہ سرمایہ دارانہ نظام نظر آتا ہے غریب عوام کا استحصال دونوں جگہ جاری وساری ہے احمد ندیم کے افسانوں میں مشترکہ پنجاب کی عکاسی ہو یا قیام پاکستان کے بعد کا پنجاب اس نظام میں تبدیلی نظر نہیں آتی۔ "بگولے کا اولین افسانہ "طلائی مہر" میں پولیس کی دست درازیاں ہیں زمیندارانہ نظام کی تلخ حقیقت سرمایہ دار اور کسان کی کشمکش جبر اور سفاک روپ میں ملتی ہے۔ "تھانیدار اپنی پگڑی کا زاویہ بدلتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ یہ میرا حکم ہے اور میرا حکم اس علاقے کا قانون ہے۔"[15]

**دینی اور روحانی اقدار کی عکاسی**

مذہب اسلام کی دینی اور روحانی اقدار انسان کے اندر مشکلات کا مقابلہ کرنے اور اعلی انسانی خصائص پیدا کرنے کا باعث بنتی ہیں احمد ندیم قاسمی کے کردار شدید ترین مصائب میں گھرے ہونے کے باوجود اپنی روحانی اور دینی اقدار کی بدولت شکست وریخت سے محفوظ رہتے ہیں صبر آزما مشکلات کا مقابلہ اعلی انسانی اقدار پر ثابت قدمی سے کرتے ہیں۔ دکھ کے سناٹے میں یہ ہی ان کا نفسیاتی سہارا بھی ہیں۔ پنجاب کی تہذیب کی یہ جڑیں ماں کے دودھ کے ساتھ رگ وپے میں منتقل ہوتی ہیں۔ پہلے افسانوی مجموعے چوپال کے افسانے ننھا منجھی سے لے کر کوہ پیماہ تک کے افسانوں میں جتنی مائیں اور بچے ہیں ان سب کے کردار پر معصومیت، حیرت، خلوص، محبت وتقدس میں رچی شخصیت نمایاں ہے۔ افسانہ پرمیشر سنگھ میں دیکھیے: "رات کے اندھیرے کمرے میں کسی چیز کو قرآن پڑھتے سن کر جب گھر کے سب افراد چیختے ہوئے جاگ اٹھے تو اختر نے بڑے فخر سے اعتراف کیا کہ میں پڑھ رہا

تھا۔ "کیا پڑھ رہے تھے بھلا؟ پر میشر سنگھ نے پوچھا پڑھوں؟ اختر نے پوچھا" ہاں ہاں" پر میشر سنگھ نے بڑے شوق سے کہا اور اختر قل ھو اللہ احد پڑھنے لگا۔ کفو احد پر پہنچ کر اس نے اپنے گریبان میں چھوکی اور پھر پر میشر سنگھ کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے بولا: " تمھارے سینے پر بھی چھو کر دوں۔ " ہاں ہاں پر میشر سنگھ نے گریباں سے بٹن کھول دیا اختر بولا اماں کہتی ہے: نیند نہ آئے تو تین بار قل ھو اللہ پڑھو نیند آجائے گی ۔"[16] اختر اپنی ماں کی سکھائی ہوئی تہذیبی روایات فراموش نہ کر سکا پر میشر سنگھ اختر کی طرف بڑھا اور اپنی بیوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا یہ بھی تمہاری ماں ہے بیٹے " نہیں اختر بڑے غصے سے بولا یہ تو سکھ ہے میری اماں تو پانچ وقت نماز پڑھتی اور بسم اللہ کہہ کر پانی پلاتی ہے۔ "[17]

**تحریک خلافت اور پنجاب**

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں کا موضوع پنجاب میں تحریک آزادی کی تحریکیں بھی رہی ان تحریکوں کی نمو میں پنجاب کی مخصوص ثقافت اور تہذیب نے اپنی مخصوص بہادری اور جوانمردی کی تاریخ رقم کی احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں تحریک پاکستان کی جدوجہد پورے جلال اور جمال کے ساتھ نظر آتی ہے۔ سرخ ٹوپی اور ارتقاء کے نام سے دو افسانے لکھے تحریک خلافت کے وقت آپ کی عمر صرف پندرہ برس تھی ارتقاء افسانے کی پوری فضاء ہندی مسلمانوں کے جداگانہ تہذیبی وجود کی آئینہ دار ہے۔ احمد ندیم قاسمی کے افسانہ "ارتقاء" کی صورت نئی نسل کو تحریک خلافت منتقل ہوئی۔ انگریزوں نے جب تحریکِ خلافت کی آگ کو ٹھنڈا کر دیا، گلی بازار، کھیت کھلیان میں تو یہ مسلمانوں کے دلوں کے اندر دہکنے لگی۔ "ارتقاء" کی صورت مصنف نے اسے نسل در نسل منتقل کرنے کا فریضہ سرانجام دیا۔ یہی تحریک "تحریک کسان" بنی۔ مصنف کے دو افسانے اُردو افسانوی ادب میں معنی خیز علامتی انداز لیے ہوئے ہیں جن میں دو جداگانہ تہذیبی وجود سانس لیتے ہیں۔ پنجاب کے ساتھ خضر حیات ٹوانہ کا حلقہ انتخاب بھی تھا۔ پنجاب کے وہ علاقے جہاں انگریز کے لے پالک جاگیرداروں کا گڑھ تھا قائد کا نام لینے والوں کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ اس دور میں پاکستان کے اندر احمد ندیم قاسمی بھی استحصال سے پاک معاشرے کی تلاش میں تھے۔ یہ ہی چیز پنجاب کے حوالے سے تہذیبی تبدیلی ہمیں اُن کے اُس دور کے افسانوں میں نظر آتی ہے۔ مجموعہ "آس پاس" کے افسانے کہانی، پلاٹ، تخیل اور احساس کی انوکھی فضا کے حامل ہیں۔ یہ مجموعہ 1948ء میں شائع ہوا۔ "چلتے رہو میرے تھکے ماندے ساتھیو تمھیں ستاروں کا ساتھ دینا ہے۔ اندھیرے کی شکایت نہ کرو مجھ سے کوئی بات کرو، ہمدیو، رات کا نظام زوال پذیر ہے۔ اب اس تحریک کے ایک نئے اور روشن نظام کی تعمیر ہوگی۔ اِس تعمیر میں ہم اپنا خون کھپاتے جا رہے ہیں۔ ہم ایسے دنوں سے تھک چکے ہیں جو صرف بلندیوں کی مستعار شعاؤں سے روشن رہ سکتے ہیں۔ ہمیں ایک ایسا دن چاہیے جس کی روشنی ہمہ گیر اور جس کی وسعت کائنات پیپا ہو۔"[18] پاکستان کا قیام مصنف کے لیے جہان نو کی تخلیق تھی۔ جہاں نئی دنیا اور نیا آدم جنم لے گا، تہذیبی روایات پروان چڑھے گے۔ بے شک اس دور کی وحشت اور بربریت نے آزادی کی خوشی ماند کر دی لیکن اس عالم میں بھی مصنف کی رجائیت کو کوئی گزند نہیں پہنچتی۔ بہت سے افسانہ نگاروں نے صوبہ پنجاب کی تقسیم اور ہندوستان کی تقسیم کو بٹوارے کے نام سے یاد کیا لیکن احمد ندیم قاسمی نے ہمیشہ اسے آزادی سے تعبیر کیا۔

**خلاصۂ بحث**

پنجاب کی مکمل تصویر اس کا جمال اور جلال دونوں ساتھ ساتھ دیکھ کر اُبھرتی ہے۔ پنجاب کی رزمیہ شاعری سے لے کر لوک گیت، بولیاں، جھمر میں تہذیب و ثقافت کا نقشہ اُبھرتا ہے۔ پنجاب کے پانچ دریاؤں کی طرح یہاں فیض عام بھی جاری ہے۔

روحانی چشمے بھی بہتے ہیں ان میں حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ، حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ، حضرت شاہ رُکنِ عالمؒ، حضرت میاں میرؒ، حضرت امام بری لطیفؒ جیسے بزرگانِ دین نے نہ صرف پنجاب کی سرزمین بلکہ کل عالم میں اپنی تعلیمات کے ذریعے دینِ اسلام پھیلایا۔ محبت، اخوت کو عام کیا۔ اسی پنجاب کی سرزمین میں دوسری طرف ادیبوں کی محفلیں سجیں جنھوں نے اپنی تحریروں سے اردو تخلیقی ادب میں پنجاب کو زندہ کر دیا۔ اسی پنجاب کے ترنجنوں میں ہیر، سوہنی، صاحبا، سسی زندہ ہیں۔ اسی سرزمین نے مجاہدین کو جنم دیا صوفیوں کی پرورش کی اسی پنجاب میں مزاحمت کی تاریخ رقم ہوئی۔ اسی پنجاب کے گھبرو دلا بھٹی کہلائے۔ اِسی سرزمین نے احمد خان کھرل کی پرورش کی۔ پنجابی دیہی معاشرہ احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں اپنی تمام تر حقیقتوں اور تلخیوں کے ساتھ موجود ہے۔ خاص کر پنجاب کے حوالے سے شہر کی متمدن زندگی ہو یا گاؤں کا پسماندہ ماحول اور اُس کے مسائل قاسمی صاحب کا قلم ہر تفریق کو بالائے طاق رکھ کر حقیقت نگاری کرتا ہے۔ پنجاب کی کثیر الجہات افسانوی تصویریں قاسمی کے ہاں موجود ہیں۔ افسانہ ہو یا شاعری قاسمی صاحب تہذیبی و فکری روایت سے ہٹ کر نہیں بلکہ اُسے قلب و نظر کے ساتھ پیش کرنے میں منہمک رہے۔ لکھنے کے اِس طویل عرصے میں قاسمی صاحب عصرِ رواں کی تحریکوں کے منفی رجحانات سے متاثر نہیں ہوئے اور ان سے اکتساب فیض بھی حاصل کرتے رہے۔ اِن کی تحریر میں وسعت لہجہ توانا، دل گداز، انداز فکر اس قدر مابعد الطبیعاتی رہا کہ سارا درد و کرب اُن کے الفاظ میں سمٹ آتا ہے۔ پنجاب کے دیہات، ان کا طرز زندگی، رسم و رواج، اخلاق و عادات کو الفاظ کی تصویروں سے زندہ کیا۔ پنجاب کے دیہات کی رومان پرور فضا کو بھی بیان کرتے ہیں۔ کھیت، کسان، دہقانی زندگی کے مسائل، دکھ، پریشانیاں، برطانوی راج اور ان کا قائم شدہ جاگیر دارانہ نظام جب انسان، انسانوں کے ہاتھوں مظالم کا شکار ہوتا ہے تو غریب انسان کی مظلومی دکھائی۔ جہاں معاشرتی پہلوؤں کو دکھایا وہی پنجاب کے دیہات کے رسم و رواج، لباس، تقریبات، بول چال، مزاج کو بھی پیش کیا کہ افسانوں کے کردار زندہ ہو کر دیہاتی لباس زیب تن کیے اپنے انداز زبان میں باتیں کرتے ہیں۔

## References


1 Gulzār Javīd (Part 1), 2004, 27.

2 Ahmad Nadeem Qasmi, "Sifārish." In, *Kapās kā Phool* (Lahore: Asāteer Publishers, 1995), 47.

3 Qasmi, "Sifārish.", 52.

4 Ahmad Nadeem Qasmi, "Qullī." In, Bagoolay (Lahore: Asāteer Publishers, 1995), 172.

5 Qasmi, "Sifārish.", 258.

6 Ahmad Nadeem Qasmi, "Bābā Noora." In, Bāzār-i-Hayāt (Lahore: Asāteer Publishers, 1995), 148.

7 Ahmad Nadeem Qasmi, Larence of Thailia, In, Kapās kā Phool, 252.

8 Ahmad Nadeem Qasmi, "Dihātī Doctor." In, Chawpāl (Lahore: Asāteer Publishers, 1995), 36.

9 Ahmad Nadeem Qasmi, "Harjā'ī.", In, Chawpāl, 79.

10 Qasmi, "Bābā Noora.", 42.

11 Ahmad Nadeem Qasmi, Tawba marī, In, Baoolay, 42.

[12] Qasmi, Bāzār-i- Hayāt, 127.

[13]Dr. Naheed Qasmi, Ahmad Nadeem Qasmi Muntakhab Afsanay,(Rawalpindi: B.I. Printers, September 2018), 352.

[14] Ahmad Nadeem Qasmi, "Jalsa."In, Tulu-o- Ghorūb (Lahore: Naya Idāra, 1995), 9.

[15] Ahmad Nadeem Qasmi, Talā'ī Mohr, In, Bagoolay (Lahore: Maktab Urdu, 1941), 35.

[16] Naheed Qasmi, Muntakhab Afsānay, 204.

[17] Naheed Qasmi, Muntakhab Afsānay, 202.

[18] Ahmad Nadeem Qasmi, Haqeeqat awr fi al-Haqeeqat, Risālah Nuqoosh (Lahore, 1957), 40